The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 (2026)

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

حق کا مفہوم اور ارتقاء: اسلامی مصادر اور قبل از اسلام معاشروں کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ

THE CONCEPT AND EVOLUTION OF HAQ (RIGHT):AN ANALYTICAL STUDY IN THE LIGHT OF ISLAMIC SOURCES AND PRE-ISLAMIC SOCIETIES

Azhar Hussain[1]
Hafiz Muhammad Ammar[2]

Abstract

This research article presents a comprehensive analytical study of the concept of Haq (Right/Truth) by examining its linguistic, terminological, Qur'anic, Prophetic, and historical dimensions, with particular emphasis on the evolution of human rights in Islamic thought in comparison with pre-Islamic civilizations. The study begins by exploring the lexical meanings of the word Haq, highlighting its rich semantic scope in classical Arabic. Lexicographers such as Imam Raghib al-Isfahani, Ibn Manzur, and authoritative works like Al-Qamus al-Muhit define Haq as truth, justice, certainty, established reality, lawful ownership, and that which stands in opposition to falsehood (batil). Linguistically, Haq denotes something so firmly established that its denial becomes impossible, reflecting solidity, correctness, and inevitability.The Qur'anic usage of Haq further expands its conceptual depth. The Qur'an employs this single term in multiple contexts, referring at times to Allah Almighty Himself, at other times to the Qur'an, Islam, divine guidance, worship, and even jihad. This semantic versatility demonstrates the miraculous eloquence of the Qur'an, wherein one word conveys multiple precise meanings according to context. Classical exegetes, including al-Damaghani and commentators cited in Zad al-Masir, explain that despite its varied applications, Haq consistently embodies justice, truth, balance, and divine order. The Qur'an presents Haq as an absolute value upon which the stability of the heavens and the earth depends, thereby elevating it beyond a mere legal or social construct to a universal and metaphysical principle.The study also analyzes the use of Haq in the Prophetic traditions (Ahadith), where it appears in diverse meanings such as truthful vision (ru'ya sadiqah), obligatory entitlements, and the moral imperative of fulfilling the rights of others. Statements like "Allah has given every rightful person his right" emphasize that rights in Islam are divinely sanctioned and morally binding. Classical scholars such as Ibn al-Athir explain that the Prophetic usage of Haq reinforces its sacred nature and establishes accountability for its fulfillment at both individual and collective levels .From a terminological perspective, Muslim jurists and modern legal scholars have defined Haq in various yet closely related ways. Imam Fakhr al-Din al-Razi defines it as an established reality whose denial is impermissible. Contemporary Muslim thinkers and Western legal theorists, including T.H. Green and T.E. Holland, describe rights as recognized powers, social claims, or legally protected interests that serve the common good. Despite differences in expression, these definitions converge on the notion that rights are inseparable from justice, legal authority, and societal welfare.

The second major part of the article critically examines the condition of human rights in pre-Islamic civilizations. In ancient India, the caste system rooted in Hindu religious literature institutionalized extreme social inequality, denying basic human dignity to lower castes, particularly the Shudras and untouchables. In ancient Greece, despite its reputation as the cradle of political philosophy, society was sharply divided into free citizens, slaves, and foreigners, with political rights reserved for a small elite. Philosophers such as Plato and Aristotle justified social hierarchy and even slavery on intellectual and racial grounds. Similarly, in the Roman Empire, although certain legal protections existed, full citizenship and political rights were largely confined to the aristocracy, while the majority of the population remained marginalized.The situation in pre-Islamic Arabia is analyzed as a mixed model. While Makkah functioned as a city-state with certain welfare practices and consultative institutions like Dar al-Nadwah, tribal anarchy, continuous warfare, and the absence of universal legal protections prevailed across the Arabian Peninsula. The Hilf al-Fudul pact, however, stands out as an early moral attempt to protect the oppressed and restrain injustice, reflecting a nascent awareness of human rights.

In the final section, the article categorizes rights into moral and legal rights, further dividing legal rights into social, economic, and political rights. Moral rights depend on individual conscience and ethical

[1] Ph.D Scholar Shaikh Zayed Islamic centre PU, azhar772235@gmail.com

[2] Ph.D. Scholar, Institute of Islamic Studies (IIS), University of the Punjab, Lahore, Punjab

responsibility, while legal rights are enforceable through state authority and judicial mechanisms. The study concludes that Islam introduced a comprehensive, balanced, and universal framework of rights grounded in divine justice, human dignity, and equality. Unlike pre-Islamic systems based on race, class, or power, the Islamic concept of Haq establishes an enduring model of human rights that harmonizes moral obligation with legal enforcement, offering a sustainable foundation for justice in both individual and collective life.

تعارفِ موضوع

انسانی معاشرے کی بقا، استحکام اور فلاح کا انحصار جن بنیادی اصولوں پر ہے، ان میں "حق" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حق ہی وہ قدر ہے جو فرد اور معاشرے، حاکم اور محکوم، طاقتور اور کمزور کے درمیان توازن قائم کرتی ہے۔ جہاں حق کو تسلیم کیا جائے اور اس کی حفاظت کی جائے وہاں عدل، امن اور انسانی وقار فروغ پاتا ہے، اور جہاں حق کو پامال کیا جائے وہاں ظلم، استحصال اور انتشار جنم لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں حقوق کا تصور ہمیشہ فکر و بحث کا مرکز رہا ہے، مگر اس تصور کی تعبیر ہر تہذیب اور ہر دور میں یکساں نہیں رہی۔ لغوی اعتبار سے لفظ "حق" وسعتِ معنی کا حامل ہے۔ اہلِ لغت کے نزدیک حق کے معانی میں سچائی، صداقت، انصاف، ثابت شدہ حقیقت، واجب الاداشے، ملکیت اور وہ امر شامل ہے جس کا انکار ممکن نہ ہو۔ امام راغب اصفہانی کے مطابق حق کی اصل "مطابقت اور موافقت" ہے، جبکہ ابن منظور نے اسے باطل کی ضد قرار دیا ہے۔ اس لغوی تنوع سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حق محض ایک قانونی اصطلاح نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت تصور ہے جو فکری، اخلاقی، معاشرتی اور قانونی تمام دائروں پر محیط ہے۔

قرآن مجید میں لفظ "حق" کا استعمال اس تصور کو مزید وسعت اور گہرائی عطا کرتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ مختلف مواقع پر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، جیسے ذاتِ باری تعالیٰ، قرآن مجید، اسلام، عبادتِ الٰہی، جہاد اور عدل۔ یہ قرآنی اسلوب اس بات کا مظہر ہے کہ حق ایک جامد تصور نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک قدر ہے جو حالات اور سیاق کے مطابق مختلف جہات میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ قرآنِ مجید حق کو کائنات کے نظام کی بنیاد قرار دیتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ اگر حق خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تصورِ حق محض انسانی مفاد تک محدود نہیں بلکہ ایک آفاقی اور الٰہی نظام سے جڑا ہوا ہے۔ احادیثِ نبویہ ﷺ میں بھی حق کو نہایت واضح اور عملی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینے کی تلقین فرمائی اور حق کی ادائیگی کو دینی ذمہ داری قرار دیا۔ حدیث کے تناظر میں حق کبھی رؤیائے صادقہ کے معنی میں آتا ہے اور کبھی واجب حقوق کے مفہوم میں، جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام میں حق کا تعلق صرف ظاہری قوانین سے نہیں بلکہ باطنی صداقت اور اخلاقی ذمہ داری سے بھی ہے۔ اصطلاحی سطح پر فقہاء اور ماہرینِ قانون نے حق کی مختلف تعریفات پیش کی ہیں، تاہم ان سب کا ماخذ شریعت اور عقلِ سلیم ہے۔ امام فخر الدین رازی کے مطابق حق وہ ثابت شدہ حقیقت ہے جس کا انکار جائز نہیں، جبکہ جدید قانونی مفکرین حق کو ایسی قانونی طاقت یا مصلحت قرار دیتے ہیں جسے قانون اور ریاستی نظام کی حمایت حاصل ہو۔ ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حق کا تصور فرد کے مفاد، معاشرتی بھلائی اور ریاستی نظم کے درمیان ایک مربوط رشتہ قائم کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر قبل از اسلام تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حقوق کا تصور محدود، طبقاتی اور امتیازی نوعیت کا حامل تھا۔ ہندوستان میں ہندومت کے ذات پات کے نظام نے انسانی مساوات کو شدید نقصان پہنچایا اور معاشرے کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر جیسے جامد طبقات میں تقسیم کر دیا۔ نچلی ذاتوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا اور مذہبی تقدس کے نام پر ان کے استحصال کو جائز قرار دیا گیا۔

یونان، جو فلسفہ اور سیاست کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، وہاں بھی حقوق کا دائرہ محدود تھا۔ شہری حقوق صرف آزاد مردوں تک محدود تھے، جبکہ غلام، عورتیں اور اجنبی سیاسی و سماجی حقوق سے محروم تھے۔ افلاطون کے فلسفی بادشاہ اور ارسطو کے نظریۂ فطری غلامی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی فکر میں مساواتِ انسانی کا تصور مکمل طور پر موجود نہ تھا۔ اسی طرح روم میں اگرچہ ایک منظم قانونی نظام پایا جاتا تھا، مگر عملی طور پر حقوق کا بڑا حصہ اشرافیہ تک محدود رہا اور عوام جزوی شہری حیثیت رکھتے تھے۔ جزیرۂ عرب میں قبل از اسلام صورتِ حال قدرے مختلف مگر مجموعی طور پر غیر منظم تھی۔ قبائلی نظام، انتقام کی جنگیں، طاقت کا قانون اور کمزوروں پر ظلم عام تھا۔ اگرچہ مکہ میں شہری نظم، رفاہی انتظامات اور حلف الفضول جیسے معاہدے انسانی حقوق کے ابتدائی شعور کی علامت تھے، مگر یہ کوششیں محدود اور غیر مستقل تھیں۔ مجموعی

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 (2026)

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

طور پر عرب معاشرہ ایک جامع اور آفاقی تصورِ حق سے محروم تھا۔ ان حالات میں اسلام نے حقوق کا ایک ایسا ہمہ گیر اور متوازن تصور پیش کیا جس کی بنیاد وحی، عدل اور انسانی وقار پر تھی۔ اسلام نے اخلاقی اور قانونی حقوق کے درمیان واضح امتیاز قائم کیا، جہاں اخلاقی حقوق کا تعلق انسانی ضمیر اور کردار سے ہے، اور قانونی حقوق کو ریاستی قوت کے ذریعے قابلِ نفاذ بنایا گیا۔ مزید بر آں، اسلام نے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حقوق کو انسانی زندگی کی تکمیل کے لیے ناگزیر قرار دیا، تاکہ فرد نہ صرف زندہ رہ سکے بلکہ عزت، آزادی اور خود اختیاری کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

زیرِ نظر تحقیق اسی پس منظر میں حق اور حقوق کے تصور کا جامع مطالعہ پیش کرتی ہے، جس میں لغوی و شرعی بنیادوں، قرآن وحدیث کے دلائل، تاریخی ارتقاء اور مختلف تہذیبوں کے تقابلی جائزے کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی تصورِ حق ایک آفاقی، منصفانہ اور پائیدار نظام فراہم کرتا ہے۔ یہ نظام نہ صرف فرد کے حقوق کا محافظ ہے بلکہ معاشرتی عدل اور عالمی انسانی وقار کے فروغ کا ضامن بھی ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت

انسانی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جس معاشرے میں "حق" کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل رہی، وہاں عدل، امن اور انسانی وقار کو فروغ ملا، اور جہاں حق کو نظر انداز یا پامال کیا گیا، وہاں ظلم، استحصال اور فکری و اخلاقی انحطاط نے جنم لیا۔ عصرِ حاضر میں اگرچہ انسانی حقوق کے عنوان سے عالمی سطح پر بے شمار منشور، قوانین اور معاہدے وجود میں آ چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود دنیا ظلم، ناانصافی، طبقاتی تفریق اور انسانی حقوق کی سنگین پامالیوں سے دوچار ہے۔ یہی صورتِ حال اس امر کی متقاضی ہے کہ "حق" اور "حقوق" کے تصور کو اس کے فکری، اخلاقی اور الٰہی تناظر میں از سرِ نو سمجھا جائے۔ جدید دنیا میں حقوق کا تصور زیادہ تر قانونی اور ریاستی دائرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، جبکہ اخلاقی، روحانی اور ضمیری پہلو پس منظر میں چلے گئے ہیں۔ اسلام نے حق کو صرف قانونی استحقاق نہیں بلکہ ایک مقدس امانت قرار دیا ہے، جس کی بنیاد وحی، عدل اور جواب دہی کے تصور پر قائم ہے۔ چنانچہ اسلامی تصورِ حق کو واضح کیے بغیر انسانی حقوق کی حقیقی روح کو سمجھنا ممکن نہیں۔ یہ تحقیق اسی خلا کو پُر کرنے کی ایک علمی کوشش ہے۔ موجودہ عالمی فکری منظرنامے میں اسلام اور انسانی حقوق کے حوالے سے کئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ بعض حلقے یہ تاثر دیتے ہیں کہ انسانی حقوق کا تصور جدید مغربی فکر کی پیداوار ہے، جبکہ مذہب، بالخصوص اسلام، اس میدان میں ثانوی یا غیر مؤثر کردار رکھتا ہے۔ اس موضوع کی تحقیق اس غلط فہمی کو دور کرنے کی نہایت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ اسلامی تعلیمات میں حقوق کا تصور نہ صرف قدیم ہے بلکہ ہمہ گیر، متوازن اور آفاقی بھی ہے۔ قرآن و سنت میں حق کو جس وسعت، تقدس اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ کسی بھی انسانی ساختہ نظام سے زیادہ مضبوط اور پائیدار بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کا ایک بڑا پہلو تاریخی تقابلی مطالعہ ہے۔ قبل از اسلام ہندوستان، یونان، روم اور جزیرۂ عرب میں حقوق کی صورتحال کا جائزہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اسلام سے قبل دنیا میں حقوق کا تصور طبقاتی، نسلی اور طاقت کی بنیاد پر قائم تھا۔ انسان کی حیثیت اس کے رنگ، نسل، ذات، طبقے اور معاشرتی مقام سے متعین ہوتی تھی۔ اس کے برعکس اسلام نے پہلی مرتبہ انسان کو محض انسان ہونے کی بنیاد پر حقوق عطا کیے اور حق و باطل کا معیار طاقت کے بجائے عدل اور تقویٰ کو قرار دیا۔ اس تقابلی تناظر کے بغیر اسلامی تصورِ حق کی انقلابی حیثیت پوری طرح واضح نہیں ہو سکتی۔ عصرِ حاضر میں مسلم معاشروں کو داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر شدید چیلنجز کا سامنا ہے۔ ایک طرف مغربی قانونی و فکری دباؤ ہے اور دوسری طرف خود مسلم معاشروں میں حقوق کی عملی پامالی، ناانصافی اور کمزور طبقات کا استحصال موجود ہے۔ ایسے حالات میں اسلامی تصورِ حق کی علمی وضاحت اور اس کے عملی اطلاق پر سنجیدہ تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے، تاکہ اسلامی معاشروں میں عدل وانصاف کے نظام کو مضبوط بنیادیں فراہم کی جا سکیں۔ اس تحقیق کی اہمیت تعلیمی اور تحقیقی میدان میں بھی نمایاں ہے۔ علوم اسلامیہ، قانون، سیاسیات اور سماجی علوم کے طلبہ و محققین کے لیے یہ موضوع ایک مضبوط نظریاتی فریم ورک فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ حقوقِ انسانی کے مسئلے کو محض قانونی نہیں بلکہ فکری اور اخلاقی زاویے سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ خاص طور پر اسلامی قانون، فقہ اور سیرتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں حق کے تصور کو مربوط انداز میں پیش کرنا علمی خلا کو پُر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، بین المذاہب مکالمے اور عالمی سطح پر امن وبقائے باہمی کے فروغ کے لیے بھی یہ موضوع غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ جب اسلامی تصورِ حق کو اس کی اصل روح کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو یہ نہ صرف اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے بلکہ عالمی انسانی حقوق کے مباحث میں ایک مثبت اور تعمیری کردار بھی ادا کرتا ہے۔ یہ پہلو خصوصاً اس دور میں اہم ہے جب تہذیبی تصادم کے بیانیے کو ہوا دی جا رہی ہے۔

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 (2026)

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

آخر میں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ "حق" اور "حقوق" پر مبنی یہ تحقیق محض ایک نظری یا تاریخی مطالعہ نہیں بلکہ ایک عملی اور عصری اہمیت کا حامل موضوع ہے۔ یہ تحقیق اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ اسلامی تصورِ حق انسان کو اس کا جائز مقام عطا کرتا ہے، فرد اور ریاست کے درمیان توازن قائم کرتا ہے، اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کی بنیاد فراہم کرتا ہے جہاں عدل، مساوات اور انسانی وقار کو حقیقی معنوں میں فروغ حاصل ہو۔

مقاصدِ تحقیق

1. لفظ "حق" کے لغوی، اصطلاحی، قرآنی اور حدیثی مفاہیم کا جامع مطالعہ کرنا

اس تحقیق کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ لفظ "حق" کے معانی کو لغت، قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں واضح کیا جائے، تاکہ اس کے فکری، اخلاقی اور قانونی پہلو مکمل طور پر سامنے آسکیں۔

2. اسلامی تصورِ حق اور حقوق کی نظریاتی بنیادوں کو واضح کرنا

اس مقصد کے تحت یہ واضح کیا جائے گا کہ اسلام میں حقوق کی بنیاد وحی، عدل اور انسانی وقار پر قائم ہے، اور یہ تصور محض قانونی نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی ذمہ داری سے بھی جڑا ہوا ہے۔

3. قبل از اسلام تہذیبوں میں حقوق کی صورتحال کا تاریخی و تنقیدی جائزہ لینا

اس تحقیق کا مقصد ہندوستان، یونان، روم اور جزیرۂ عرب میں رائج حقوق کے نظام کا تجزیہ کرنا اور یہ دکھانا ہے کہ وہاں حقوق کس حد تک طبقاتی، امتیازی اور طاقت پر مبنی تھے۔

4. اسلامی تصورِ حق اور قبل از اسلام نظاموں کے درمیان تقابلی مطالعہ پیش کرنا

اس مقصد کے ذریعے یہ واضح کیا جائے گا کہ اسلامی نظامِ حقوق کس طرح مساوات، آفاقیت اور عدل پر مبنی ہے اور کس طرح یہ نظام سابقہ تہذیبوں کے محدود اور غیر منصفانہ تصورات سے ممتاز ہے۔

5. عصرِ حاضر میں اسلامی تصورِ حق کی فکری و عملی افادیت کو اجاگر کرنا

اس تحقیق کا مقصد یہ بھی ہے کہ موجودہ عالمی انسانی حقوق کے تناظر میں اسلامی تصورِ حق کی معنویت، ہم آہنگی اور رہنمائی کی صلاحیت کو واضح کیا جائے، تاکہ اسے جدید مسائل کے حل میں مؤثر طور پر بروئے کار لایا جاسکے۔

سوالاتِ تحقیق

1. اسلامی مصادر (قرآن و سنت) میں لفظ "حق" کا مفہوم کیا ہے، اور یہ مفہوم اسلامی نظامِ حقوق کی تشکیل میں کس طرح بنیادی کردار ادا کرتا ہے؟
2. اسلامی تصورِ حق کس حد تک قبل از اسلام تہذیبوں کے طبقاتی اور امتیازی نظامِ حقوق سے مختلف اور برتر ہے، اور عصرِ حاضر کے انسانی حقوق کے مباحث میں یہ کس نوعیت کی رہنمائی فراہم کرتا ہے؟

بنیادی ابحاث

لغوی مفہوم:

لفظ حق اپنے استعمال کے لحاظ سے بے شمار معانی و مفاہیم اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اسی وسعت کے پیش نظر اہل لغت اور ماہرین نے اس کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ جس سے لفظ حق کی مختلف مواقع پر استعمال ہونے اور مختلف معانی میں استعمال ہونے کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

" الحق (ج) حقوق ضد الباطل یقال لحق لآتیک "[3]

حق۔ سچائی، راستی، یقین، انصاف، ثابت شدہ نصیب مال کو حق کہا جاتا ہے[4]

---

[3]: لوئیس معلوف، المنجد فی اللغہ، دار الاشاعت کراچی، ص 142

[4]: ابو سلیم، عصمت، المنجد (عربی، اردو) دار الاشاعت کراچی، ص 225

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

امام راغب اصفہانی لفظ حق کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" اصل الحق المطابقة و الموافقة "[5]

ابن منظور لکھتے ہیں

" الحق نقيض الباطل "[6]

قاموس المحیط میں ہے

الحق: ضد الباطل، والامر المقضى، والعدل والاسلام، والمال والملك والموجودالثابت والصدق الموت ،ولحزم وواحد الحقوق۔[7]

حق کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے سے اس کا انکار نہ کیا جا سکے یعنی کسی چیز کا ٹھوس شکل میں سامنے آنا یا ثابت ہو جانا۔[8]

قرآن میں لفظ حق کا استعمال:

قرآن مجید میں لفظ حق بے شمار معانی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ ہر ہر موقع کی مناسبت سے باریک سے باریک فرق کو واضح کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لیکن لفظ حق ایک ہی لفظ ہونے کے باوجود کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ[9]

اور اگر حق (تعالیٰ) ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو (سارے) آسمان اور زمین اور جو (مخلوقات و موجودات) ان میں ہیں سب تباہ و برباد ہو جاتے بلکہ ہم ان کے پاس وہ (قرآن) لائے ہیں جس میں ان کی عزت و شرف (اور ناموری کا راز) ہے سو وہ اپنی عزت ہی سے منہ پھیر رہے ہیں۔

الدامغانی لکھتے ہیں کہ یہاں حق سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے[10]

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَّرِيجٍO[11]

بلکہ (عجیب اور فہم و ادراک سے بعید بات تو یہ ہے کہ) انہوں نے حق (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن) کو جھٹلا دیا جب وہ اُن کے پاس آ چکا سو وہ خود (ہی) الجھن اور اضطراب کی بات میں (پڑے) ہیں۔

یہاں حق کا لفظ "القرآن" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے[12]

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[13]

اور فرما دیجئے: حق آگیا اور باطل بھاگ گیا، بیشک باطل نے زائل و نابود ہی ہو جانا ہے

---

[5]. امام راغب اصفهاني، المفردات، اسلامي اكيدمي الفضل ماركيت اردو بازار لاهور، ص 125

[6]:ابن منظور، افریقی، لسان العرب، ج3، بیروت لبنان، دار صادر، ص 339

[7]۔ فیروز آبادی، مجد الدین، القاموس المحیط، منشی نو الکشور لکھنو، ص 787

[8]۔ محمد پرویز، لغات القرآن، دار الاشاعت کراچی، ص 529

[9]۔ المومنون: 23:71

[10]۔ میر تھي زين العابدين، قاضي، قاموس القرآن، دار الاشاعت كراچي، ص 139

[11]۔ سورہ ق، 50:5

[12]۔ زين العابدين، قاضي، قاموس القرآن، ص 89

[13]۔ الاسراء، 17:81

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

الدامغانی نے یہاں حق سے مراد "اسلام" لیا ہے۔

زاد المسیر میں اس سے متعلق چار اقوال منقول ہیں

احدھا : ان الحق الاسلام (قال الصالح عن ابن عباس)
والثانی : ان الحق القرآن
والثالث : ان الحق الجہاد
والرابع : ان الحق عبادة اللہ[14]

حدیث میں لفظ حق کا استعمال:

احادیث میں بھی لفظ حق کئی معانی میں استعمال ہوا ہے

(" قال النبی ﷺ من را نی فقد رای الحق")[15]

ابن الاثیر نے یہاں حق سے مراد "رؤیا صادقہ" لیا ہے، لکھتے ہیں

" ای رویا صادقہ لیست من اضغاث الاحلام و قیل فقد رای حقۃ غیر مشبہ "[16]
" قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ "[17]

اصطلاحی تعریف:

مختلف فقہاء نے حق کی تعریف مختلف انداز میں کی ہے اور الفاظ کی کمی بیشی سے مختلف مفاہم جو کہ قریب قریب ہیں سامنے آتے ہیں۔ تاہم سب نے اسے ماخذ شریعت سے ہی اخذ کیا ہے

"حق وہ مالی و قیمتی مصلحت ہے جس کو قانون کی حمایت حاصل ہو"

امام رازی کے مطابق:

"الثابت الذی لا یسوغ انکارہ"[18]

محمد صلاح الدین کے نزدیک:

ایک وسیع الاختیار اور کثیر الوسائل ریاست کے مقابلہ میں فرد کو جو حقوق دیئے جاتے ہیں انہیں ہم بنیادی انسانی حقوق کہتے ہیں۔[19]

گائس پر یچو فائز کے نزدیک:

وہ حقوق جو ہر انسان کو ہر جگہ اور ہمہ وقت حاصل ہوتے ہیں اور انصاف کو بری طرح پامال کئے بغیر کوئی بھی شخص ان حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔[20]

ماہرین قانون کے نزدیک:

T.H.Green کے نزدیک:

حق ایک ایسی مصدقہ طاقت ہے جو کہ عام اچھائی کو محیط ہوتی ہے۔[21]

---

[14]۔ الجوزی، عبد الرحمٰن بن علی بن محمد، زاد المسیر، ج5، مکتب اسلامی بیروت، ص57، 58

[15]۔ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب التعبیر، ج3، 796

[16]۔ ابن الاثیر، عزالدین الجزري، نھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، جامعي عثمانیہ حیدر آباد دکن، ص413

[17]۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، 3:295، بیروت لبنان

[18]۔ امام رازی، مفاتیح الغیب: تفسیر کبیر، مکتبہ علوم اسلامیہ اردو بازار لاہور، ص354

[19]۔ محمد متین خالد، حقوق انسانی کی آڑ میں، عالمی مجلس ختم نبوت، لاہور، ص63

[20]۔ ایضاً، ص63

[21]۔ T.H.Green , Principle of political obligation , P.82

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

T.E.Holland کے مطابق:

حق ایک آدمی کے دوسرے آدمی پر اثر انداز ہونے کا نام ہے۔ مختلف ذرائع سے نہ کہ اپنی ذاتی جدوجہد بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ رویوں کی وجہ سے یا معاشرے کے دباو کی وجہ سے۔[22]

حقوق کی تاریخ وارتقاء

قبل از اسلام ہندوستان میں حقوق کی صورتحال:

ہندوستان ایک قدیم ملک ہے۔ دنیا کے جن خطوں میں پہلے انسانی تہذیب و تمدن نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ ان میں ہندوستان کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہندوستان میں ہندو دھرم عرصہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ گویا ہندومت اور ہندوستان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان کا مذہب اور تہذیب دنیا کے قدیم ترین مذاہب اور تہذیبوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستانی تہذیب کو اگر ویدک دھرم کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ مذہب آریا اقوام ہندوستان پر چڑھائی کرتے وقت ساتھ لائیں۔ ان کے اندر طبقاتی تقسیم کا تصور کم تھا۔ لیکن ذات پات کا جو تصور بعد میں ہندومت میں پایا جاتا ہے جس کو سن کر یا دیکھ کر انسانیت کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسی پابندیاں کسی درندہ صفت معاشرے میں بھی تصور نہیں کی جا سکتیں۔ ابتدائی تقسیم آریہ اور غیر آریہ کی صورت میں سامنے آئی۔ آریاؤں نے مقامی لوگوں کو اپنے سے کہیں زیادہ کم تر سمجھا اور خدشہ محسوس کیا کہ اگر انہوں نے مقامی لوگوں سے باہمی شادیوں پر پابندی عائد نہ کی تو وہ بہت جلد اپنی شناخت کھو دیں گے اور ایک یا دو صدیوں میں وہ بھی مقامی آبادی کا جزو بن جائیں گے۔ لہٰذا پہلی نسلی تقسیم رتبے یا درجے کی بجائے رنگ کی بناء پر کی گئی۔ ذات کا امتیاز ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ خصوصاً تاریخ روم میں یہ زیادہ ملتا ہے۔ وہاں امراء اور عوام میں سکندری حائل ہے جو ہندوؤں کے ہاں ذات پات کی صورت میں موجود ہے۔ اہل روم کی اس تقسیم کا دارومدار سوشل لائف پر ہے اس لیے یہ اٹل ہے۔ آریہ چونکہ فاتح کی حیثیت سے یہاں آئے اس لیے انہوں نے اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے مقامی لوگوں سے ملنے سے احتراز کیا جس سے آریہ قوم محفوظ رہی۔

ہندومت میں طبقاتی تقسیم، پسماندہ اور پست کردہ اقوام، چھوت چھات، اور ذات پات کے اس ظالمانہ نظام کے اسباب و وجوہات، آغاز وارتقاء اور ثمرات و نتائج کی تحقیقات کے لیے 1980ء میں ایک سرکاری سطح پر ایک کمیشن مقرر کیا گیا اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔

All Hindu Dharma shasteras take a caste for granted.Alpuranas assume the existence of caste and look upon it as a permanent of order of society. [23]

ویدوں نے طبقاتی تقسیم کو ایک مذہبی بنیاد فراہم کر دی ہے۔

رگ وید میں ہے:

اس کے منہ سے برہمن (جاتی) پیدا ہوئی، ہاتھوں میں کھشتری راجا اس کی ٹانگوں سے عام آدمی ویش پیدا ہوا جو کاروبار میں مشغول رہتا ہے۔ کم حیثیت غلام نے اس کے پیروں سے جنم لیا۔

"ویدی زمانے کے آخر سے ذات کی تقسیم شروع ہو گئی ہے۔ آریہ سماج نے مختلف طبقات کے درمیان "ورن" کے تصورات پر مبنی ذات پات کی ایسی دیواریں کھڑی کر دیں کہ ان میں باہمی اختلاط بہت مشکل ہو گا۔ اس نظام میں ہندوستان کے غیر آریہ قدیمی باشندوں کو شودر کی حیثیت سے سماج میں سب سے پست مرتبہ دیا گیا۔"[24]

---

[22]۔ Jack Donnely , The concept of human rights , P25

[23]۔ Mandal commission/Reservations for back world, P.19

[24]۔ عماد الحسن فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ، ص136

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

منڈل کمیشن نے طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے اس ظالمانہ نظام کی اساس ہندومت کے مذہبی لٹریچر اور مذہبی تعلیمات ہی کو قرار دیا۔ جس سے یہ ذات پات اور نچلی ذاتوں کی پسماندگی اور استحصال ہوا۔ ان ظالمانہ تعلیمات کو مرتب شکل دینے اور باقاعدہ قانونی شکل دینے اور تدوین کرنے کا سہرا معروف ہندو مقنن اور مذہبی رہنما منوجی کے سر جاتا ہے۔

> "اس قانون نے برہمنوں کو اتنے حقوق دیئے تھے اور ان کو اتنا بلند مرتبہ عطا کیا گیا تھا جس میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہ تھا۔ برہمن کے سارے گناہ معاف تھے۔ اس کے برعکس اچھوت نہ کچھ کما سکتے تھے نہ جمع کر سکتے تھے نہ کسی برہمن کے پاس بیٹھ سکتے تھے۔ نہ اس کے بدن کو چھو سکتے تھے۔ نہ مقدس کتابوں کا پڑھنا ان کے لئے جائز تھا۔ ان قوانین میں عام آدمی کی زندگی میں پروہت کی رہنمائی اور اس کی مداخلت کا خاصا عمل دخل تھا۔ پروہتوں اور پجاریوں کے اسی اثر و رسوخ نے رفتہ رفتہ برہمنوں کو موروثی طور پر ہند کی برتر ذات اور معاشرے کا طبقہ خاص بنا دیا جن کے قبضے میں آکر ہند کی سوچ و فکر، تغیر و تبدل کے دروازے بند ہوتے چلے گئے۔"[25]

ان تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندومت کا سارا نظام برہمیت کے گرد گردش کرتا ہے۔ جس کے اندر برہمن انسان ہوتے ہوئے بھی فوق الانسانی حقوق و اختیارات کا مالک ہے۔

قبل از اسلام یونان میں حقوق کی صورتحال:

دنیا کی تاریخ میں یونان و روم کا نام بہت اچھالا گیا ہے۔ اور اس سے دور جدید کی اسلامی فکر بھی بہت متاثر ہوئی ہے۔

حامد الانصاری لکھتے ہیں:

> "یونان دنیائے قدیم کا سیاسی پایہ تخت رہا ہے۔ دنیا جدید اس سے کافی مرعوب ہے اور یہ اقرار کرتی ہے کہ علم السیاست کی حقیقی ابتداء اور انسان کی خود آگاہی کا اظہار اول یونان میں ہوا۔ یہ دعویٰ بجائے خود صحیح مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یونانی تصور اجتماعی زندگی کا بہت ہی ناقص ظہور ہے۔"[26]

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> "یونان کے سب باشندے ایک ہی نسل کے تھے لیکن الگ الگ شہروں میں رہتے تھے۔ اپنے ہی ہم نسل یونانیوں کے ساتھ برتاؤ سے متعلق یونان کی شہری ریاستوں میں کچھ متعین قواعد تھے۔ قدیم یونانی معاشرہ کو انہیں قواعد کے تحت تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔"[27]

طبقاتی تقسیم:

پیر کرم شاہ صاحب ابو نصر فارابی کی کتاب" الجمع بین رائی الحکیمین"کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اہل یونان درج ذیل تین طبقات میں منقسم تھے۔

1۔ بادشاہ:

سیاسی اختیارات کے ساتھ ساتھ اسے مذہبی پیشوا بھی مانا جاتا ہے۔

2۔ امراء:

وہ اپنے آپ کو دیوتی و دیوتاؤں کی اولاد سمجھتے تھے اور اس دعوے کی بنیاد پر انہوں نے اپنے معاشرے میں دیگر طبقات اور قبائل پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔

25۔ مترجم طیب رشید، فلسفہ ہندوستان، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن، ص28

26۔ حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، بیت العلوم لاہور، ص420

27۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی، ص186

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 (2026)

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

3۔ عوام:

قرض لے کر محدود زرعی زمین سے بمشکل اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے اور مقررہ میعاد پر قرض ادا نہ کر سکتے تو ان کی جائیداد چھین لی جاتی اور بعض اوقات شخصی آزادی سے بھی محروم کر دیے جاتے تھے۔[28]

> "اہل یونان خود طبقات میں منقسم تھے لیکن وہ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بہت تہذیب یافتہ اور متمدن سمجھتے تھے۔ اور باہر سے آنے والے اجنبیوں کو Bar Bar یعنی بربریت پسند کہتے تھے۔ ان میں ایک طبقہ جس کو میٹک کہا جاتا تھا انہیں نہ تو کوئی سرکاری عہدہ مل سکتا اور نہ وہ شہری انتخابات میں کوئی رائے دے سکتے تھے۔ اور نہ ہی کسی اراضی کے مالک ہو سکتے تھے۔"[29]

ارسطو کے نزدیک نوع انسانی کی تقسیم:

بعض لوگ ایسے ہیں جو طبقاً احرار ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو طبقاً غلام ہوتے ہیں۔ یونانی دو خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ بہادر بھی ہیں اور ذکی و فطین بھی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اہل یونان سردار ہیں آزاد ہیں باقی سب ملکوں کے باشندے ان کے غلام ہیں۔ یونان میں چھوٹی چھوٹی کئی شہری ریاستیں قائم تھیں لیکن ان میں دو ریاستیں زیادہ مشہور تھیں، اور تاریخ یونان کا انحصار خاص طور پر انہی دو ریاستوں پر تھا۔

1۔ سپارٹا(Sparta)　　　　2۔ ایتھنز(Athens)

سپارٹا:

اس کا دستور ذات پات کے سخت اور شدید نظام پر مبنی تھا اور وہاں کے باشندوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

1۔ پہلا طبقہ:

سپارٹا کے اصلی باشندے جو پوری آبادی کا پانچ سے دس فیصد تک تھے۔ یہی طبقہ حکمران تھا۔ فوج انہی کے نوجوانوں پر مشتمل تھی وہ کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔

2۔ دوسرا طبقہ:

دوسرا طبقہ غلاموں کا تھا، ان کا تناسب، سپارٹا کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں دس اور ایک تھا۔ ان کی اکثریت کو زمین سے وابستہ کر دیا تھا جو کھیتی باڑی کرتے تھے۔

3۔ تیسرا طبقہ:

کسانوں، کان کنوں، تاجروں اور دیگر شہری سرگرمیاں انجام دینے والوں کا تھا۔ اگرچہ یہ آزاد تھے لیکن ان کو کوئی سیاسی حق حاصل نہ تھا۔ یہ اہل سپارٹا میں شامل نہ ہو سکتے تھے اور نہ ان میں شادی کر سکتے تھے۔

اسپارٹن لوگوں کو اپنے تمدن پر ناز تھا۔ چونکہ سخت عسکری تربیت سے بہت سڈول اور مضبوط جسم کے مالک تھے۔ اس لئے اہل ایتھنز کو حقارت سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ زنانے ہیں ان پر لفظ "مرد" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔[30]

ایتھنز:

اس ریاست میں بھی طبقاتی نظام رائج تھا اور مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔

---

[28]۔ الازھری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور، ص 75

[29]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، بیت العلوم لاہور، ص 70-69

[30]۔ مترجم عبد الماجد، تاریخ اخلاق یورپ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ، ص 13،12

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

طبقاتی تقسیم:

اس میں بھی مختلف طبقات تھے۔

1۔ شہری: تین ہزار بالغ مرد موثر شہریت رکھتے تھے۔

2۔ غلام: دوسرا طبقہ غلاموں کا تھا۔

3۔ اجنبی: اجنبی لوگ وہاں کی شہریت کے حقوق حاصل نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی زمین خریدنے کا حق رکھتے تھے۔

"افلاطون لکھتا ہے کہ فلسفی بادشاہ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ قانون ساز تو ہے لیکن خود کسی قانون کا پابند نہیں۔ فلاسفر بادشاہ ہر قسم کے قانون سے مبرا رہ کر ہی اپنے مافی الغیر کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور اپنے احکام پر عمل کر سکتا ہے۔"[31]

"ارسطو غلاموں کو شہری حقوق نہیں دیتا۔ ان کی تعریف شہریت کے مطابق صرف شہریت کی بنیاد پر کوئی شخص شہری نہیں بن جاتا۔ بلکہ شہری صرف وہ ہے جو انتظامی اور عدالتی امور میں شرکت کرے۔ اور یہ حق صرف آزاد لوگوں کا ہے آزاد بھی وہ جو نجیب الطرفین ہے۔"[32]

"اس صورت حال کے خلاف سب سے پہلے رواقیون نے آواز اٹھائی۔ اس مدرسہ فکر کے بانی زینو (Zwno) نے انسانی مساوات پر زور دیا ہے اور فطری قانون (Natural Law) کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کے مطابق فطری قانون آفاقی ہے۔ اس کا اطلاق ہر قانون پر ہوتا ہے۔ یہ قانون موضوعہ (Positive Law) سے برتر قانون ہے۔ اس قانون کے تحت حاصل ہونے والے فطری حقوق کسی خاص ریاست کے مخصوص شہریوں تک محدود نہیں بلکہ کسی بھی جگہ رہنے والا ہر شخص محض انسان اور ذی عقل انسان ہونے کی حیثیت سے ان کا مستحق ہے۔"[33]

قبل از اسلام روم میں حقوق کی صورتحال:

رومی سلطنت مسلمانوں سے پہلے دنیا کی عظیم ترین سلطنت اور دنیائے قدیم کی حقیقی حکمران طاقت تھی۔ زمانہ حال کے حکمران، علماء، سیاستدان اور مدبرین اپنی حکومتوں کا سلسلہ حسب ونسب روماہی سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

"دنیا ایک انگشتری تھی اور روما اس کا نگینہ"

طبقاتی تقسیم:

یونان کی طرح طبقاتی تقسیم یہاں بھی پائی جاتی تھی۔ سلطنت رومہ کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ امراء کا اور دوسرا عوام کا۔ امراء کا طبقہ خوشحال خاندانوں پر مشتمل تھا۔ شہریت کے پورے حقوق انہی کو حاصل تھے۔ اور آبادی کی بڑی اکثریت کا تعلق طبقہ عوام سے تھا۔ وہ لوگ صرف جزوی حیثیت سے شہری تھے۔ انہیں خاص سیاسی حقوق حاصل تھے۔

"اس میں سادہ جمہوری نظام میں عوام کی آزادی اور حقوق کا تحفظ موجود تھا۔ سوسائٹی عدم مساوات سے پاک تھی۔ امیر اور غریب دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کرتے تھے۔ ان حقوق میں عوام کو امراء

---

[31]۔ جعفری، اصغر علی، مشرق ومغرب کے سیاسی افکار، مکتبہ فکر رضا کراچی، ص 54

[32]۔ رزاقی، شاہد حسین، تاریخ جمہوریت، دار الاشاعت کراچی، ص 73

[33]۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح، اسلام میں بنیادی حقوق، دار السلام لاہور، ص 41

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4 No.1 (2026)

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

طبقہ میں شادی کرنے، سینٹ کا رکن بننے، قونصل کے عہدہ پر فائز ہونے کا حق شامل ہیں لیکن یہ جمہوریت نہ چل سکی۔"[34]

قبل از اسلام جزیرہ عرب میں حقوق کی صورتحال:

جب ہم عربوں کی قبل از اسلام تاریخ کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ صورتحال واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ خاص شہر مکہ میں ایک شہری مملکت قائم تھی۔شہر مکہ کے باشندے ہر سال اپنے افسر متعلقہ کو کچھ رقم بطور ٹیکس دیتے تھے۔جس کا اولین مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی حاجی کسی وجہ سے شہر مکہ میں اپنے آپ کو بے بس پائے یا اس کے پاس پیسے بالکل نہ رہیں یا اس کی سواری مر جائے تو ایسے مجبور لوگوں کی مدد کی جائے۔

"مشکل مسائل کے حل کے لئے عربوں کے ہاں ایک ادارہ قائم تھا" دارالندوہ" اس میں سارے معمر باشندوں سے مشاورت ہوتی تھی۔شہر مکہ کی اس مملکت میں ہر نمائندہ فرد وراثتی اصول پر ہمیشہ ایک ہی قبیلہ سے ہوا کرتا تھا۔اس شہری مملکت کے باوجود بدوی عربوں میں سیاسی نظام کی جگہ سیاسی انارکی تھی۔ہر قبیلہ اپنی جگہ آزاد و خود مختار تھا۔جو اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے دوسروں کی زندگی ، مال اور آزادی سے کھیلتے رہتے تھے۔آپس کی جنگ وجدال اور حرب وقتال نے ملک کو کارزار بنا رکھا تھا۔ہر شخص دوسرے کی عزت کو اپنے لئے بہترین مصرف قرار دیتا تھا۔"[35]

عرب میں قبل از اسلام معمولی سی اشتعال انگیزی پر جنگ شروع ہو جاتی تھی اور نسل در نسل جاری رہتی تھی۔ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے مال و دولت، مویشی، اہل وعیال پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے قبیلہ کے ہاتھوں بیچ دیتا تھا۔اور مویشیوں کو ہانک کر لے جاتا تھا۔اس طرح قبیلوں کے قبیلے کٹ جاتے لیکن انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی۔ عہد جاہلیت کے عربوں کا نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم کی اولاد حرم کعبہ کے مجاور، پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکہ کے باشندے ہیں۔لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارے برابر نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے برابر ہیں۔ان لڑائیوں، خون ریزیوں اور مظالم نے بالآخر عرب قبائل کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ظالم کا ہاتھ روکا جائے۔ان حالات میں عرب قبائل نے ایک معاہدہ کیا جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے موسوم ہے۔

انسانی تاریخ کے "بنیادی انسانی حقوق" کے تحفظ کے لئے منعقدہ اس تاریخ ساز غیر تحریری معاہدہ کے ممبران و شرکاء نے قیام امن، انسانی حقوق کے تحفظ اور بقائے باہمی کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی لازمی قرار دی۔[36]

اس کی اہم دفعات درج ذیل ہیں۔

1۔مکہ سے بدامنی دور کی جائے گی۔

2۔مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

3۔مظلوموں کی امداد کی جائے گی خواہ مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی۔

4۔زبردست کو زیردست پر ظلم وزیادتی سے روکا جائے گا۔

حقوق کی اقسام

بنیادی طور پر حقوق کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

---

[34]۔ صدیقی، مظہر الدین، اسلام کا نظریہ تاریخ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص99

[35]۔ ابوالکلام آزاد، اسلام اور جمہوریت، دار الاشاعت کراچی، ص28

[36]۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی، ص59

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

1۔ اخلاقی حقوق 2۔ قانونی حقوق

اخلاقی حقوق کا دائرہ کار انسانی ضمیر کی حد تک ہے۔ان کی پامالی کی صورت میں کسی شخص کو قانونی چارہ جوئی کے تحت ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔اور نہ ہی قانون اس میں مداخلت کر سکتا ہے۔قانونی دائرہ کار ریاست سے متعلق ہے۔ان حقوق میں کسی قسم کی کمی بیشی یا پامالی کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی اختیار کی جا سکتی ہے۔اور انتظامیہ کی قوت سے انہیں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

قانونی حقوق کو مزید دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔معاشرتی حقوق 2۔معاشی حقوق 3۔سیاسی حقوق

حقوق کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

اخلاقی حقوق:

وہ حقوق جو انتظامیہ اور عدلیہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔اور جن کا نفاذ انسان کی باطنی کیفیت پر ہوتا ہے۔مثلاً مریضوں کی عیادت، حاجت مندوں کی امداد، اور مہمانوں کی خاطر تواضع، پڑوسیوں سے حسن سلوک، مسافروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

> "انسان کی یہ باطنی کیفیت، صورت اور ہیت اور مشاہدہ کی گرفت سے ماوراء ہے اس لئے قانون نے اسے اپنے دائرہ عمل میں شامل نہیں کیا۔قانون سازی اور نفاذ قانون کی حدود انسان کے صرف ظاہری اور قابل مشاہدہ اعمال پر آکر ختم ہو جاتی ہیں لیکن ان اعمال کے داخلی محرکات اور فرد کی ذہنی زندگی کی تشکیل و تعمیر میں حصہ لینے والے افکار و عقائد اور رجحانات و میلانات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔یہ امور اخلاق کا موضوع بحث ہیں۔اور اس دائرہ میں آنے والے انسانی حقوق کا تعین بھی قانون سازوں کا نہیں معلمین اخلاق کا کام ہے۔"[37]

اخلاقی حقوق کا نفاذ انسان کے ضمیر پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔اس کا نفاذ رضاکارانہ ہوتا ہے۔اور کسی بھی درجے پر قابل احتساب نہیں ہوتا۔اسے بڑی سے بڑی قوت نافذہ معاشرتی دباؤ کی صورت میں میسر آسکتی ہے۔لیکن اس سے انحراف عدالتوں میں قابل سماعت اور قابل تعزیر بہر حال نہیں ہوتا۔

These rights which rest merely on the approval of public opinion called moral rights.[38]

قانونی حقوق:

وہ حقوق جو قانون موضوعہ کے تحت آتے ہیں اور انتظامیہ کے ذریعے قابل نفاذ اور عدلیہ کے ذریعے قابل حصول ہوتے ہیں۔یعنی قانونی حقوق کی پشت پر ریاست کی قوت نافذہ ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قانونی حقوق کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے انہیں ریاست کے دائرہ اختیار میں دے دیا ہے تاکہ کوئی فرد خود اپنی ذمہ داری پر ان حقوق کو ادا نہ کرے تو ریاست عدلیہ اور انتظامیہ قوت سے انہیں نافذ کرے اور حقدار کا حق غصب یا مجروح نہ ہونے دے۔

معاشرتی حقوق:

وہ حقوق جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہوتا ہے مثلاً جان، عزت و آبرو کا تحفظ، ان حقوق کی موجودگی میں انسان پر امن اور پر آسائش زندگی گزارنے کے قابل ہوتا ہے۔تعلیم حاصل کر کے اپنی شخصیت میں نکھار لا سکتا ہے اور ہر طرح سے اپنی تکمیل کر سکتا ہے۔ان حقوق کی عدم موجودگی میں انسان ہر وقت پریشان رہتا ہے۔اس کی جان، عزت، آبرو سب خطرات سے دوچار ہوتی ہیں۔اسے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتی ہے۔یہ حقوق اس معاشرے پر منحصر ہیں جس میں آدمی رہ رہا ہوتا ہے۔ہر ریاست میں ان حقوق کے معاملے میں یکسانیت نہیں لیکن ایک ملک اور معاشرے کا فرد خواہ وہ ملکی ہو یا غیر ملکی ان حقوق کے حصول کا حق رکھتا ہے۔

---

[37]۔ محمد بن صالح، اسلام میں بنیادی حقوق، ص 145

[38]۔ Encyclopedia of religion and ethics, P.2

معاشی حقوق:

وہ حقوق جن کا تعلق معاشرتی زندگی سے ہوتا ہے مثلاً جان، عزت و آبرو کے تحفظ، ان حقوق کے تحفظ سے ایک فرد رزق اور وسائل رزق کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور ان سے متمتع ہونے کے بھی قابل ہوتا ہے۔ ان حقوق کی موجودگی میں انسان آسودہ زندگی گزار سکتا ہے۔ کیونکہ گردش دولت کے سبب پورے معاشرے میں آسودگی آتی ہے جس سے انسان کے دیگر حقوق مثلاً عزت و آبرو، شخصی آزادی وغیرہ متاثر نہیں ہوتے۔ مال و دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہیں رہتی۔ لہٰذا ہر فرد کو اپنا ذریعہ معاش بآسانی میسر آسکتا ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان تفاوت کم ہو جاتی ہے۔ ان حقوق کی عدم موجودگی میں معاشرتی اور سیاسی ححقوق متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے اگر مال و دولت اور اس کے کمانے کے ذرائع محدود کر دیئے جائیں تو غریب غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائیگی۔

ان حقوق کا انحصار بھی معاشرے اور حکومت پر ہے اور ہر آدمی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ مال و دولت کما سکے اور مرضی کے مطابق خرچ کر سکے اور بقیہ مال و دولت کو جمع کر کے کسی اور مصرف میں لا سکے۔

سیاسی حقوق:

وہ حقوق جن کی بدولت ملک میں رہنے والا ہر شہری ملک کے نظم و نسق میں حصہ لے سکتا ہے۔ سیاسی جماعت بنا سکتا ہے۔ حکومت پر تنقید کر سکتا ہے۔ اور اس کے اعمال و افعال پر نگرانی کرتے ہوئے اس کا احتساب کر سکتا ہے۔

سفارشات

1. اسلامی تصورِ حق کو عصری تناظر میں از سرِ نو پیش کیا جائے

سفارش کی جاتی ہے کہ قرآن و سنت میں بیان کردہ تصورِ حق کو جدید انسانی حقوق کے مباحث کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا جائے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلامی تعلیمات آج کے عالمی چیلنجز کا مؤثر حل پیش کرتی ہیں۔

2. نصابِ تعلیم میں حق اور انسانی حقوق کے اسلامی تصور کو شامل کیا جائے

جامعات اور دینی اداروں کے نصاب میں اسلامی تصورِ حق، اس کی اخلاقی و قانونی بنیادوں اور تاریخی اہمیت کو بطور مستقل مضمون شامل کیا جانا چاہیے، تاکہ طلبہ میں عدل، مساوات اور انسانی وقار کا شعور پیدا ہو۔

3. اسلام اور انسانی حقوق سے متعلق غلط فہمیوں کا علمی ازالہ کیا جائے

علمی اداروں اور محققین کو چاہیے کہ اسلام پر عائد کیے جانے والے اس الزام کا مدلل جواب دیں کہ انسانی حقوق مغرب کی ایجاد ہیں، اور یہ ثابت کریں کہ اسلام نے سب سے پہلے آفاقی انسانی حقوق کا تصور دیا۔

4. اسلامی اور قبل از اسلام تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ مزید وسعت کے ساتھ کیا جائے

سفارش کی جاتی ہے کہ مستقبل کی تحقیقات میں ہندوستان، یونان، روم اور دیگر تہذیبوں کے نظامِ حقوق کا مزید گہرائی سے تجزیہ کیا جائے، تاکہ اسلامی تصورِ حق کی انقلابی حیثیت مزید واضح ہو سکے۔

5. اخلاقی اور قانونی حقوق کے باہمی تعلق کو مضبوط کیا جائے

جدید معاشروں میں حقوق کو صرف قانونی دائرے تک محدود کرنے کے بجائے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی حقوق کو بھی فروغ دیا جائے، کیونکہ قانون اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب اخلاقی شعور اس کی پشت پر موجود ہو۔

6. ریاستی نظام میں اسلامی تصورِ عدل و حق کو عملی بنیاد فراہم کی جائے

مسلم ممالک میں قانون سازی اور عدالتی نظام کو اس انداز میں مرتب کیا جائے کہ وہ اسلامی تصورِ حق، مساوات اور انصاف کی حقیقی عکاسی کرے، تاکہ کمزور طبقات کے حقوق مؤثر طور پر محفوظ ہو سکیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY
Vol.4 No.1 (2026)
ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

7. معاشی حقوق کے تحفظ کو اولین ترجیح دی جائے

سفارش ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، غربت اور معاشی استحصال کے خاتمے کے لیے اسلامی اصولِ عدل، زکوٰۃ اور بیت المال کے نظام کو جدید ریاستی فریم ورک کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

8. سیاسی حقوق اور احتساب کے نظام کو مضبوط کیا جائے

اسلامی تصورِ حق کی روشنی میں شہریوں کو اظہارِ رائے، حکمرانوں کے احتساب اور سیاسی شرکت کے حقیقی مواقع فراہم کیے جائیں، تاکہ ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم رہے۔

9. بین المذاہب مکالمے میں اسلامی تصورِ حق کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے

عالمی سطح پر امن اور بقائے باہمی کے فروغ کے لیے بین المذاہب و بین التہذیبی مکالموں میں اسلامی تصورِ حق کو ایک مثبت اور تعمیری ماڈل کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے۔

10. بین الضابطہ (Interdisciplinary) تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جائے

سفارش کی جاتی ہے کہ اسلامی علوم، قانون، سیاسیات، تاریخ اور سماجیات کو باہم جوڑ کر حق اور انسانی حقوق پر مزید تحقیقی کام کیا جائے، تاکہ اس موضوع کے تمام فکری، عملی اور معاشرتی پہلو سامنے آسکیں۔

نتائج تحقیق

اسلام نے انسانی حقوق کا تصور کسی وقتی یا سماجی ضرورت کے تحت نہیں بلکہ ایک مستقل، آفاقی اور الٰہی نظام کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ میں حقوق کو محض قانونی تقاضا نہیں بلکہ ایک مقدس امانت (امانت) اور اخلاقی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، جس کی پاسداری ہر فرد اور ریاست دونوں پر لازم ہے۔ اس بنیاد پر اسلامی تصورِ حق دیگر انسانی نظاموں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط، ہمہ گیر اور پائیدار نظر آتا ہے۔ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبل از اسلام معاشروں میں حقوق کا تصور طبقاتی، نسلی اور طاقت پر مبنی تھا، جہاں غلاموں، عورتوں، کمزور طبقات اور اقلیتوں کو بنیادی انسانی حقوق حاصل نہیں تھے۔ اس کے برعکس اسلام نے انسانی مساوات، انسانی وقار اور عدل کو بنیاد بنا کر ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کیا جس میں ہر انسان کو بلا امتیازِ رنگ، نسل اور مذہب بنیادی حقوق عطا کیے گئے۔ یوں اسلامی تصورِ حق نے قدیم تہذیبوں کے غیر منصفانہ اور استحصالی نظاموں کو جڑ سے چیلنج کیا۔ اسلامی حقوق کا نظام صرف حقوق کے بیان تک محدود نہیں بلکہ ان کے تحفظ اور نفاذ کے لیے واضح اخلاقی، قانونی اور عدالتی ضمانتیں فراہم کرتا ہے۔ اسلامی شریعت میں حق اور فرض کو باہم مربوط کیا گیا ہے، جس کے باعث فرد اپنی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ذمہ داری کا بھی شعور رکھتا ہے۔ یہی توازن اسلامی تصورِ حق کو جدید انسانی حقوق کے مباحث میں ایک مؤثر اور متبادل ماڈل بناتا ہے۔

جدید مغربی انسانی حقوق کے تصورات، اگرچہ بعض عملی پہلوؤں میں ترقی یافتہ ہیں، تاہم وہ اخلاقی بنیاد سے محروم ہونے کے باعث بعض اوقات تضاد اور افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اسلامی تصورِ حق اخلاق، قانون اور عبادت کو یکجا کر کے انسانی حقوق کو محض ریاستی عطیہ نہیں بلکہ خدائی عطا قرار دیتا ہے، جس سے ان کی خلاف ورزی کو سنگین اخلاقی جرم سمجھا جاتا ہے۔ تحقیق کے نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسلامی تصورِ حق کا عملی اطلاق صرف انفرادی سطح تک محدود نہیں بلکہ ریاستی، عدالتی اور بین الاقوامی سطح پر بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، خطبۂ حجۃ الوداع اور خلفائے راشدین کے طرزِ حکمرانی اس امر کے عملی شواہد ہیں کہ اسلامی ریاست میں عدل، مساوات اور انسانی حقوق کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ عصرِ حاضر میں مسلم معاشروں کو درپیش بہت سے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کی جڑ اسلامی تصورِ حق سے عملی انحراف ہے۔ اگر قرآن و سنت میں بیان کردہ حقوق کو جدید تقاضوں کے مطابق مؤثر انداز میں نافذ کیا جائے تو معاشرتی عدم مساوات، استحصال اور ناانصافی میں نمایاں کمی لائی جاسکتی ہے۔

آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی تصورِ حق نہ صرف ایک تاریخی حقیقت ہے بلکہ ایک زندہ، قابلِ عمل اور عالمگیر نظام ہے جو موجودہ انسانی حقوق کے بحران کا متوازن، اخلاقی اور پائیدار حل پیش کرتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی مصادر کی روشنی میں حقوق کے اس تصور کو علمی، تعلیمی اور عملی سطح پر ازسرِنو زندہ کیا جائے۔